

خوشخبری

گھر بیٹھے کال کریں اور اپنا تعلیمی کام مکمل کروائیں

خوشخبری

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

## علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

لیسن پلین۔ فائنل لیسن پلین

حل شدہ اسائنمنٹ۔ پی ڈی ایف۔ ورڈ فائل۔ ہاتھ سے لکھی

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

مکمل حل شدہ تھیسس

گیس پیپرز۔ پاسٹ پیپرز

پریکٹس رپورٹ۔ ٹیچنگ پریکٹس

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

انتہائی مناسب ریٹ

بکس منگوائیں۔ آن لائن ٹیوشن

داخلہ بھجوائیں۔ فیس جمع کروائیں

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

**نوٹ:** تمام یونیورسٹیز کے آن لائن داخلے بھجوانے اور حبابز کے لیے آن لائن اپلائی کروانے کے لیے رابطہ کریں۔

اسائنمنٹ ایل ایم ایس پر اپلوڈ کروائیں

آن لائن ورکشاپس۔ ٹیوٹرلسٹ

**اس کے علاوہ:** کمپوزنگ، سکینگ، کلرپرٹنگ، فلیکس بنوانے، وزٹنگ کارڈ، سٹیمپ، لیٹر پیڈ، کاروبار کے لیے ویب سائٹ بنوانے، سکول کالجز کے لیے آئی ٹی لیب بنوانے اور لیب ٹاپ خریدنے کے لیے رابطہ کریں۔

Skilling.pk

Diya.pk

WhatsApp: 0332-4646739

WhatsApp: 0314-4646739

(PAY ONLINE)

easypaisa Jazz Cash Upaisa UBL

اگر آپ تعلیمی نیوز، جابز اور باقی تمام اپ ڈیٹس اپنے موبائل پر فری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو نیچے دیے گئے واٹس ایپ نمبر کو اپنے موبائل میں سیو کر کے اپنا نام لکھ کر واٹس ایپ کر دیں۔ سٹیٹس روزانہ لازمی چیک کریں۔

Skilling.pk

WhatsApp: 03144646739

WhatsApp: 03324646739



Skilling.pk



0314-4646739



0332-4646739

- سوال نمبر 1- تحریک الاتحاد الطلبہ کا تعارف و مقاصد تحریر کریں۔  
 سوال نمبر 2- افغانستان میں اسلامی تحریکات کی تاریخ پر روشنی ڈالیں۔  
 سوال نمبر 3- مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی دعوتی فکر و خدمات بیان کریں۔  
 سوال نمبر 4- اسلامی تحریکات کے فکری اثرات بیان کریں۔  
 سوال نمبر 5- جمعیت علماء اسلام کا منشور و مقاصد تحریر کریں۔

## ANS 01

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل اصول کی تصریح لازمی ہے:

۱۔ اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا، جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں، جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیے جائیں گے۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصولوں و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء و اعلا اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتہ و اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبيت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتسابِ رزق کے قابل نہ ہوں، یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسری وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظِ جان و مال و آبرو، آزادیِ مذہب و مسلک، آزادیِ

عبادت، آزادیِ اظہارِ رائے، آزادیِ نقل و حرکت، آزادیِ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور وفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقعہ صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک، سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے، جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے خیالات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا، تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامیہ کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

ANS 02

موجودہ دور میں اسلامی تحریکیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے جمہوری نظام اور الیکشن کو استعمال کرنے کے لیے میسر فزاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔ کل لائیو اولاشی (یا تو سب) Skilling.pk WhatsApp: 03144646739 WhatsApp: 03324646739

کچھ، یا کچھ نہیں) کے اصول کے بجائے ”شی احسن من لاشی“ (کچھ نہ ہونے سے، کچھ ہونا بہتر ہے) کے عملی اصول کی طرف بڑھنے میں تحریکوں کی جرأت دراصل سیاست کا ایک جدید مظہر ہے۔

آج اسلامی تحریکوں کی رائے یہ نہیں ہے کہ دعوت دین کے ذریعے حکومت الہیہ قائم ہونے تک سیاسی عمل اور انتخابات سے باز رہیں۔ بلکہ وہ یہ محسوس کرتی ہیں کہ اسلامی نظام کو قائم کرنے کی طرف پیش قدمی کے لیے غیر اسلامی نظام میں جو مواقع موجود ہیں، انہیں استعمال کر کے بتدریج اس کی طرف بڑھا جائے۔ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ جمہوری نظام سے دست بردار ہونے سے بہتر، اپنے ایجنڈے کو سامنے رکھ کر اسے استعمال کرنا ہے۔ موجودہ زمانے میں صرف اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسلامی دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے بھی، سیاست میں سرگرم حصہ لینا ضروری ہے۔ اس لیے کہ سیاست ہر ملک میں وہاں کے باشندوں میں ایک ناقابل تردید نفوذ رکھتی ہے۔ اس نے سماج کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ”حصیسا راجا، ویسی پر جا“ کی مثال ہر معنی میں درست ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ آج سماج کو چلانے والے دراصل سیاسی لوگ ہیں اور سماج عصر حاضر میں نظریات سے زیادہ کاموں کو ترجیح دیتا ہے۔

اسلامی تحریکیں اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ عملی سیاست میں قدم رکھنے سے ہی وہ اپنے مقصود تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس طرح کا کام کبھی تحریک کے ایجنڈے سے خارج نہیں ہے، بلکہ وہ دعوت و اصلاح اور تربیت ہی کا حصہ ہے۔

شیخ یوسف القرضاوی، شیخ فیصل مولوی، شیخ سلمان العودہ اور شیخ عبداللہ بن بیہ جیسے علماء کے فتاویٰ اسلامی تحریکوں کو اس طرح سوچنے اور عمل پیرا ہونے پر اکساتے ہیں۔ تحریکوں کے ان جدید افکار کو ان علمائے کرام نے شرعی جامہ پہنایا ہے اور ”فقہ الانتخابات“ کے نام پر ایک جدید علمی شعبہ ایجاد کیا ہے۔ ان کے فتوے کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی جمعیتیں خواہ وہ مسلم اکثریتی ملک میں ہوں یا مسلم اقلیتی ملک میں، انہیں وہاں کے الیکشنوں سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔ یہ عصر حاضر میں شریعت کا تقاضا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج دنیا میں ایسی کوئی اسلامی تحریک موجود نہیں ہے جو الیکشن سے استفادہ نہ کرتی ہو۔

افغانستان، جو الیکشن میں مجلس سازی میں مشہور ہے، وہاں الاخوان المسلمون نے ۲۰۰۵ء میں انتخابی مراکز کی نگہبانی کر کے، عدالت میں مقدمہ پیش کر کے، کام کرنے کی آزادی نہ ہونے کے باوجود، الیکشن میں شرکت کر کے ۸۸ نشستیں حاصل کیں۔ مراکش میں Justice and Development Party کے پاس پارلیمنٹ میں ۴۶ نشستیں ہیں۔ ترکی میں ایردوان کی Justice and Development Party ۳۴۰ نشستیں حاصل کر کے اقتدار پر آئی۔ الجزائر میں Hams Party کو ۵۲ نشستیں ملیں۔ یمن میں الاصلاح کی ۶۰ نشستیں ہیں۔ اردن میں (سرکاری اہتمام سے دھاندلی کے باوجود) جبهة العمل (Islamic Action Front) کی ۶۱ نشستیں ہیں۔ انڈونیشیا میں تحریک اسلامی کی Justice and Welfare Party کے پارلیمنٹ میں ۵۴ ممبران ہیں۔ علاقائی اسمبلیوں میں اس پارٹی کے ۱۵ اور میونسپلٹیوں میں ۹۰۰

ممبران ہیں۔ کویت میں آدھے سے زیادہ پارلیمانی ممبران تحریک اسلامی سے وابستہ رہنے والے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فلسطین میں حماس ایک طویل مدت تک فلسطینی اتھارٹی کو PLO کے لیے چھوڑ کر، جہاد اور رفہی کاموں پر زیادہ توجہ دیتی رہی۔ لیکن پھر وہ الیکشن میں شرکت کر کے ۸۸ نشستیں جیت کر اقتدار میں آئی ہے۔ PLO زمانہ دراز تک اقتدار پر قبضہ کے سبب، جب رشوت اور بد عنوانی میں مبتلا ہوئی تو وہاں کے باشندوں کے شدید اصرار پر حماس نے الیکشن میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا۔ حماس کا یہ پختہ ارادہ موجودہ دور میں اسلامی تحریکوں کے الیکشن میں شرکت کرنے کی ضرورت کو نمایاں کرتا ہے۔

یورپ اور امریکا جیسے مسلم اقلیتی ملکوں میں بھی اسلامی تحریکیں سیاست میں سرگرم عمل ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد اس کی ضرورت انہیں خاص طور پر محسوس ہوئی ہے۔ آج اسلامی تحریکیں اپنے ووٹوں کو جمع کر کیا ایک ناقابل تردید طاقت بن کر، ان پارٹیوں کی حمایت کرتی ہیں جو مسلمانوں کے حق میں قابل قبول موقف اختیار کرتی ہیں۔ اس طرح کے نئے نئے پروگراموں کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کر رہی ہیں۔ شیخ یوسف القرضاوی کا فتویٰ قابل غور ہے کہ مسلم اقلیتی ملک میں مسلمانوں کو وہاں کی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں اپنی برادری اور اپنے حقوق کی نمائندگی کرنے والے ووٹوں کی ضرورت ہے۔ اس کے ذریعے سے ظالموں کو روک سکتے ہیں۔ اس سے اپنے دینی واجبات کو سلامتی کے ساتھ ادا کرنے کا موقع ملے گا اور حرام میں مبتلا رہنے کی مجبوری نہ رہے گی۔ پارلیمنٹ جیسی قانون ساز مجالس میں مسلم ممبران کی نمائندگی اشد ضروری ہے، جو ہمیشہ ایک اقلیتی قوم کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کے حقوق کی حفاظت کے لیے آواز اٹھاتے رہیں۔ عدل و انصاف کے لیے کام کرنے والے لوگوں کو اپنے ساتھ لینے کی بھی وہ کوشش کریں۔ اس سلسلے میں روشنی دینے والے شرعی اصولوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے:

(۱) مالا یم الواجب الا بہ فہو واجب (جس کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکے، وہ بھی واجب ہے) مسلمانوں کے دینی اور اخلاقی حقوق حاصل کرنے کے لیے اگر سیاست میں داخل ہونا اور الیکشن میں شرکت کرنا ضروری ہو تو ایسا کرنا ان پر واجب ہے۔

(۲) الامور بمقاصدہا (چیزوں کا اعتبار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہے)۔ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری ما نوى (عمل کا مدار نیت پر ہے، ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی نیت کی ہے۔ بخاری)۔ سیاست میں حصہ لینے کا مقصد اگر مسلمانوں کے حقوق اور ان کی مذہبی آزادی وغیرہ کی حفاظت ہے، تو یہ کام اللہ کے یہاں اجر و ثواب کے لائق ہے۔

(۳) سد الذرائع (گمراہ کن اور غلط راستوں کو بند کرنا)۔ اقلیتی قوم (مراد ہے مسلمان اقلیت) کے سیاست سے باز رہنے کے نتیجے میں، اگر وہ مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس طرز عمل کو ترک کرنا ضروری ہے جو انہیں زیادہ زبوں حال اور پستہ حال بناتی ہے۔

(۴) الضرورات تبیح المحظورات (اضطراری حالات، ممنوعات کو حلال کر دیتی ہیں)۔ جمہوری ملکوں میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے کچھ لوگوں کا اس نظام میں موجود ہونا ضروری ہے۔ اس لیے وہاں کے دستور اور آئین کو، جو شرع کے مطابق نہ بھی ہو، اسے ماننا اور اس کا لحاظ کرتے ہوئے آگے بڑھنا جائز ہو گا۔



”اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (البقرہ: ۱۷۳)

(۵) المصلح المرسل۔ جس چیز یا عمل کو شرع رد نہیں کرتی اور عقل انسانی اس چیز کو خیر سمجھتی ہے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو، وہ چیز اصل میں مصلح مرسلہ ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کبھی قطعی دلائل سے نہ ٹکرائے۔ بہت سے صحابہ کرام نے مصلح مرسلہ کا اعتبار کیا ہے۔

عصر حاضر کی اس سنگین حالت میں اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اور مشکلات سے بچنے کے لیے سیاست میں مسلمانوں کا داخلہ اشد ضروری ہے۔ اگر ملک کا دستور اور آئین اجازت دیتا ہو تو مسلمانوں کے لیے ایک ایسی سیاسی پارٹی تشکیل دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جو ان کے اور دوسرے پسماندہ طبقات کے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ اس پارٹی کا ہر آدمی ممبر بن سکتا ہے، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ نظام اسلام میں امن و سلامتی سب کے لیے ہیں۔ (الدین والسیاست: ڈاکٹر یوسف القرضاوی)

حکومت میں شرکت:

آج اسلامی تحریکیں ”غیر اسلامی حکومتوں“ میں شرکت کرنے لگی ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں سوڈان میں جب ڈاکٹر حسن ترابی کی زیر قیادت چلنے والی تحریک نے جنرل جعفر النمیری کی حکومت میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت اسلام پسندوں کے درمیان بہت اختلاف رونما ہوا۔ لیکن اب وہ حالت پوری طرح بدل گئی ہے۔ جہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہے، وہاں مسلمانوں کی مصلحت کو سامنے رکھ کر سیاست اور حکومت میں شرکت کرنے کے بارے میں آج اسلامی تحریکوں کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

الجزائر کی تحریک حماس (HAMS) کے سربراہ ابو جرحہ سلطانی نے کہا کہ ہم اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے حکومت میں شریک ہوئے ہیں کہ مسلمان صرف اچھے نمازی ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ اچھے حکمران بھی ہیں۔ جن مسلم اکثریتی ملکوں میں اسلامی تحریکیں، حکومتوں میں شرکت کرتی ہیں وہاں کی حکومتیں انسانی ساختہ نظاموں کی پیروی کرنے والی ہیں۔ الجزائر کی حماس، انڈونیشیا کی Justice and Welfare Party وغیرہ آج حکومتوں میں شرکت کر رہی ہیں۔ یمن کی الاصلاح پارٹی گزشتہ الیکشن تک صدر علی عبداللہ صالح کی حکومت میں شامل رہی تھی۔ اردن کے الاخوان المسلمون کتنی ہی بار، وہاں کی ملوکیت کی ماتحتی میں چلنے والی حکومت میں شرکت کرتی رہی ہے۔ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی خالدہ ضیاء کی حکومت میں شامل رہی تھی۔ فلسطین میں حماس نے پی ایل او کے ساتھ مشترکہ حکومت کی۔ سوڈان میں اخوان اور سلفی جماعت کے لوگ عمر البشیر کی حکومت میں بھرپور طور پر شامل ہیں۔ عراق میں تحریک اسلامی کی سیاسی پارٹی جبہ التوافق کے نائب صدر کے عہدے پر فائز ہے۔

یہاں ترکی کا تجربہ زیادہ قابل ذکر ہے۔ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کرنے والے الٹرا سیکولر سٹوں کے ملک میں، اسلام پسندوں نے جو تجربہ کیا وہ دراصل پروفیسر ڈاکٹر نجم الدین اربکان کی سیاسی سرگرمیاں ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں نجم الدین اربکان نے ایک سیاسی پارٹی تشکیل دے کر جو تجربہ کیا تھا، اس تجربے کو جب طیب ایردوان نے زیادہ بہتر بنایا۔ جب

ان کی ایک پارٹی پر حکومت پابندی لگائی ہے لہذا ایک دوسری پارٹی کی تشکیل کرتے ہیں۔ انہوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنایا ہے۔ اس کے باوجود فوج اور سیکولر طاقتیں ہمیشہ ان کو شکار کرتی رہیں۔ آخر میں ان کی Virtue Party پر بھی حکومت نے قدغن لگائی۔ اس کے بعد انہوں نے ”سعادت پارٹی“ تشکیل دی۔ اُس وقت ان کے خاص شاگرد اور معتقد رجب طیب ایردوان نے اپنی راہ لی اور Justice and Development Party قائم کی۔ امریکا کے ساتھ عدم تصادم کی پالیسی اپنائی، اسرائیل کے ساتھ پہلے سے قائم سفارتی تعلقات میں چھیڑ چھاڑ نہ کی، اسلامی ایجنڈے کا اعلان کرنے کے بجائے خدمت خلق میں سرگرم عمل ہو کر سب کی تائید حاصل کی۔ اپنے امیدواروں میں سیکولر سٹوں، لیکن صاف ستھرے لوگوں کو بھی شامل کیا۔ ۶۳ خواتین کو عام انتخابات میں اپنا امیدوار بنایا۔ بہر کیف اربکان کی پارٹی نے محض ۲۳۴ فیصد رائے دہی حاصل کی تو ایردوان کی پارٹی نے ۴۶ فیصد ووٹوں کے ساتھ ۳۴۰ نشستیں جیت کر دوسری بار حکومت سنبھال لی۔ یہاں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ ایردوان سیکولر ازم اور بین الاقوامی حالات کو ساتھ لے کر چلنے کے باوجود، اپنے اصل مقصد، اسلامائزیشن کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ پردے پر عرصے سے عائد پابندی کے خلاف سخت آواز اٹھائی۔ اس کے نتیجے میں پارٹی کے صدر تقی امیدوار عبداللہ گل کو کامیاب نہ ہونے دینے کی کوشش کی گئی، جس کو ہر ممکن طریقے سے ناکام بنایا۔ اس سخت جدوجہد کے بعد دوسری بار الیکشن میں شرکت کر کے پارلیمنٹ میں اپنی اکثریت کو بڑھا کر عبداللہ گل کو صدر منتخب کروایا۔ ان کی اہلیہ اور لڑکیاں حجاب ہی میں عام مجلسوں میں آتی ہیں۔ حال ہی میں ان کی پارٹی کے اسلام پسند موقف کے خلاف پبلک پراسیکیوٹر نے جب عدالت میں مقدمہ درج کیا تو ایردوان عدالت میں اپنا مقدمہ لڑ کر کامیاب ہوئے اور ان کے ساتھ کسی طرح کے سمجھوتے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

مشہور سیاسی مبصر اور افغانستان میں الاخوان المسلمون کے ترجمان ڈاکٹر عصام العریان نے ترکی کے تجربات کا جائزہ لے کر ان سے ماخوذ رہنمائیات کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) ایک قومی تحریک کی تشکیل: اس کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے۔

(۲) فوج: ملکی سلامتی کو نسل اور دیگر سیکولر پارٹیوں سے اچھے روابط قائم کر کے، عام مفاد کے لیے کام کیا اور اختلافات سے دور رہے۔

(۳) حیرت انگیز معاشی ترقی: آزاد معاشی نظام، تیز رفتار معاشی ترقی اور مالی بحران پر قابو جیسے اہم عناصر اس ترقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۴) یورپ اور امریکا کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کر کے، ان رکاوٹوں کو دور کیا جن سے دوسرے ملکوں کے اسلامی حلقے دوچار ہیں۔ (المجمع، کویت۔ شمارہ ۱۸۱۲)

اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات کے بارے میں ایردوان کی رائے یہ ہے کہ وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ پہلے سے ترکی کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات ہیں۔ ان تعلقات کو برقرار رکھنے سے اسرائیل اور فلسطین کے درمیان صلح کرانے کا موقع ملے گا۔

ڈاکٹر عصام العریان کہتے ہیں کہ ان سیکولر ملکوں میں جہاں قوانین کو پردہ پہننے تک کی اجازت نہیں ہے، اسلامی شریعت کو یک علم عملی جامہ پہنانا غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے۔ اس طرح کے امور کو جب طیب ایردوان ایک طویل مدتی منصوبے کا حصہ سمجھتے ہیں۔ مشہور عالم دین اور یورپی فتویٰ کونسل کے نائب صدر فیصل مولوی فرماتے ہیں کہ ایردوان کا یہ نقطہ نظر اسلامی اصول سے باز رہنے کا بہانہ نہیں ہے، بلکہ ان سنگین حالات میں عوامی جمہوریت سے فائدہ اٹھا کر Ultra Secularism کا قلع قمع کرنے کی ایک حکمت عملی ہے۔ اس حالت میں قانون تدریج (سنہ التدریج) کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ یعنی رفتہ رفتہ تدریج اپنے منصوبے کو بروئے کار لانا چاہیے۔

الغرض اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ترکی کا یہ نیا تجربہ اسلام پسندوں کے دیرینہ موقف سے بالکل الگ ہے۔ اسلامی تحریکوں کو اسے سنجیدہ، باقاعدہ اور بھرپور غور و فکر کا موضوع بنانا چاہیے۔

کھلے ہوئے دروازے:

اسلامی تحریکوں کا اندرونی خاکہ آج کل ایک کھلی ہوئی کتاب سا ہے۔ اس کے اندر ہونے والے بحث و مباحثے کو لوگوں تک پہنچانے میں تحریکیں تساہل نہیں برتتیں۔ اپنے بحث و مباحثے میں شرکت کرنے کے لیے اور اس سے واقف ہونے کے لیے عوام کو اجازت دیتی ہیں۔ ان کی حکمت عملی اور پالیسیاں بند کرے میں، مخفی طور پر نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ تبادلہ خیال کے بعد تشکیل پاتی ہیں۔ مثال کے طور پر افغانستان میں الاخوان المسلمون نے اپنا سیاسی ایجنڈا تیار کر کے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے رائے عامہ کے لیے لوگوں کے روبرو پیش کیا ہے۔ گزشتہ سال ستمبر میں رائے عامہ کے لیے پیش کردہ سیاسی ایجنڈا، ملک کے مختلف مسائل میں اس کی تدابیر اور لائحہ عمل کو نمایاں کرتا ہے۔ تحریک کے قائدین نے بتایا کہ رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد مرکزی مجلس مشاورت میں اس ایجنڈا کا آخری فیصلہ ہوگا۔

لیکن اس ایجنڈے نے خواتین اور اقلیت (عیسائیوں) کو ریاست میں اعلیٰ اقتدار کے عہدے عطا کرنے سے عدم اتفاق ظاہر کیا ہے۔ البتہ نچلے درجے کا کوئی بھی عہدہ خواتین اور دوسرے مذہب کے معتقدین کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اپنی اس رائے کی تائید میں اخوان فقہ کے اس قدیم مسئلے کو پیش کرتی ہے کہ اسلامی ملک میں خلیفہ مسلمان اور مرد ہونا چاہیے۔ اخوان کی اس رائے کے مخالفین میں خود اخوان کے ارکان بھی شامل ہیں۔ تیونس کی اسلامی تحریک، النهضة کے صدر شیخ راشد الغنوشی بھی افغانستان کی اخوان کے اس موقف سے اتفاق نہیں کرتے۔ انہوں نے علی الاعلان کہا کہ مسلم ملکوں کے ایک چھوٹے سے حصے افغانستان کے صدر کو خلیفہ کی حیثیت سے نہیں مانا جاتا ہے اور اس طرح کے بیانات اس وقت مناسب نہیں ہیں، جب کہ وہاں کی عیسائی اقلیت کے حکومت میں آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (الوسطیہ فی علاقات الدین بالسیاست)

دوسری بات یہ ہے کہ ایک طویل مدت سے اسلامی تحریکیں اپنی قیادت کا انتخاب بالکل جمہوری طریقے سے کرتی ہیں۔ بلکہ اب تو کئی اسلامی تحریکیں کھلے بندوں مقابلے سے اپنے قائدین کو چنتی ہیں۔ مقابلہ بظاہر افراد کے درمیان معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل وہ نقطہ نظر کے درمیان ہوتا ہے۔ علی الاعلان مقابلہ کر کے جب ایک شخص منتخب ہو جاتا ہے تو سب لوگ برضا و رغبت اس کی تائید کرتے ہیں اور اس کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ اردن میں گزشتہ الیکشن میں ناکام ہونے کے بعد، اخوان کی قیادت اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئی۔



Skilling.pk WhatsApp: 03144646739 WhatsApp: 03324646739

وہاں موجودہ قائد سالم الفلاحات اور ڈاکٹر حماد کے مابین ہونے والے مقابلے میں ڈاکٹر حماد ایک ووٹ زیادہ حاصل کر کے اخوان کے قائد منتخب ہوئے۔ اس وقت سالم

الفلاحات نے تمام ذرائع ابلاغ کو، جو الاخوان المسلمون میں ٹوٹ پھوٹ کے انتظار میں تھے، اس وقت مایوس کر دیا جب انہوں نے ڈاکٹر حماد سعید کی پرزور تائید کا اعلان کیا۔  
الجزائر میں حمس کے صدر ابو جرحہ سلطانی کے خلاف عبد المجید محاصرہ کی امیدواری کو ذرائع ابلاغ نے ایک گرم موضوع بحث بنایا تھا۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دونوں سربراہوں نے تحریک کے اندر دو قسم کے نقطہ نظر کی نمائندگی کی ہے۔ تحریک کی چوتھی نیشنل کانفرنس میں پانچ دن کی گرما گرم بحث ہوئی۔ عبد المجید محاصرہ نے اپنی امیدواری کو واپس لے کر، ابو جرحہ کی پرزور حمایت کا اعلان کیا۔ عبد المجید محاصرہ کا یہ حیرت انگیز اعلان اس وقت ہوا جب کہ ابو جرحہ اپنی امیدواری سے دست بردار ہونے کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اس مقابلے کی بابت ابو جرحہ سلطانی کہتے ہیں کہ یہ مثالی موقف درحقیقت وسیع نظام شوریٰ اور کھلی جمہوریت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس طرح کی زیادہ واضح اور سودمند کارروائیوں سے تحریک کے لیے نیا ایجنڈا تیار کرنے میں ہر آدمی کو اپنا اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایجنڈا فراہم کرنے کے اس عمل میں کچھ خصوصیتیں ہیں۔ یہ کہ اپنے مسائل پر بحث کرنے کے لیے اپنے دروازے سب کے رو برو کھول دیے، الیکشن ہال میں وہ اپنے مستقبل کے نقطہ نظر کے ساتھ داخل ہوئے اور سب کا خواب صرف یہی تھا کہ تحریک آج سے زیادہ ترقی کرے۔ پانچ دن کے سنجیدہ، باقاعدہ اور بھرپور غور و فکر اور مباحثہ کے بعد، وہ ایک بنیاد پر مبنی صورت بن کر باہر آئے۔  
(۱) المجمع، کویت۔ شمارہ: ۱۸۱۲، ۲۶ جولائی ۲۰۰۸ء آج اسلامی تحریکیں ان لوگوں کو بھی اپنی سرگرمیوں اور مشاورت میں شامل کرتی ہیں جو ان کی پالیسیوں سے مختلف رائے رکھنے کے سبب، تحریک میں شمولیت سے باز رہتے ہیں۔ تحریک کے حدود میں نہ رہنے کے باوجود ان سے خدمت لیتی ہیں۔ لہذا بہت سے اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے تحریک سے اپنی علیحدگی کو علی الاعلان ظاہر نہیں کیا اور تحریک نے ان کا ہر گز بائیکاٹ نہیں کیا۔ وہ ایسے اصحاب کو اپنے اخباروں اور رسالوں میں لکھنے کا موقع پہلے کی طرح دیتی اور تقریبات اور پروگراموں میں ان کو بلاتی ہیں۔

اسلامی تحریکوں کی فراخ دلی: مراکش میں حرکتہ التوحید والاصلاح کے صدر محمد الحمد اوی نے، جو اسلامی تحریکوں کی جدید حکمت عملی کے تجربہ کار ہیں، اپنے ایک بیان میں کہا کہ فراخ دلی اور سماج سے میل جول وغیرہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہم ایک مرشد کی حیثیت سے سماج کو محض وعظ و نصیحت سے نوازتے رہیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ سماج کو دینے کے لیے ہمارے پاس ایک بہترین پیغام ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سماج کے اندر بھی بہت سی بھلائیاں ہیں۔ ان سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔ صرف دینا ہی نہیں، بلکہ سماج سے لینا بھی چاہیے۔ یہ بات ہر گز نہیں ہونی چاہیے کہ ہم صرف اپنی تحریک کے لوگوں سے تعلقات قائم کریں۔ آج اسلامی تحریکیں یہ چاہتی ہیں کہ ایک ملک میں تمام اصلاحی تحریکیں باہم قریب آئیں اور وہ اپنے سنگتے مسائل کو حل کرنے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اسلامی تحریکوں کو ہر گز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ صرف ہماری تحریک درست ہے، باقی تمام تحریکیں غلط راستے پر ہیں۔ بلکہ تمام تحریکوں کو، ان کی خامیوں کو سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ لے کر، ان کی بھلائیوں، خوبیوں اور توانائی کو اسلام کے وسیع مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے صرف ان کی جدوجہد کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے

لے تمام اصلاحی اور مثبت تحریکوں کی مدد ضروری ہے۔ اور وہ یہ امید کرتی ہیں کہ آخر کار ان بھی تحریکوں کی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھانے والا صرف اسلام ہی ہوگا۔ یہ قابل دید ہے کہ ان میں سے اکثر تحریکوں نے آج اپنی عوامی پذیرائی کو ثابت کیا ہے۔ اسلام کی جامعیت اور سامراج کی مخالفت وغیرہ میں ان کا موقف اسلامی تحریکوں جیسا ہے۔ لہذا آج اسلامی تحریکوں کے زیر اہتمام مسلم تنظیموں کے مابین اتحاد و اشتراک پیدا ہو رہا ہے۔ افغانستان میں سلفی حضرات بھی، الاخوان المسلمون کو ووٹ دینے لگے ہیں اور بنگلہ دیش میں وہ جماعت اسلامی کو ووٹ دیتے ہیں، کویت اور بحرین میں بے شمار اختلافات کے باوجود سیاست میں سلفی اور اخوانی مل جل کر کام کرتے ہیں۔ وہاں پارلیمنٹ کے الیکشنوں میں آپس میں مقابلہ کرنے کے بجائے سیکولر طاقتوں کے خلاف ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ سوڈان میں اخوان اور سلفی بیک وقت عمرالبشیر کی حکومت میں شریک ہیں۔ پاکستان میں جماعت اسلامی سمیت چھ مسلم تنظیموں کے محاذ، متحدہ مجلس عمل کے گزشتہ پارلیمنٹ میں ۸۸ ممبران تھے اور اسے ایک صوبے میں اقتدار بھی حاصل تھا۔ مسلم تنظیموں کے اتحاد و اتفاق کے لیے اسلامی تحریکوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کا یہ بیان قابل توجہ ہے کہ مسلم تنظیموں کے اتحاد کے لیے گزشتہ تیس سال سے ہم کوشش کر رہے ہیں۔ اس طویل عرصے میں کبھی کسی مذہبی تنظیم کی مذمت نہیں کی ہے۔ کویت اور بحرین میں سلفیوں نے ماضی میں انتخابات کے موقع پر الاخوان المسلمون کو کئی بار دھوکا دیا۔ لیکن اخوان نے کبھی اس پر رد عمل ظاہر نہیں کیا۔

#### تحریک اسلامی میں خواتین کا کردار:

جیسا کہ شیخ راشد الغنوشی نے کہا ہے کہ ایک ہی پر سے پرواز نہیں کی جاسکتی۔ خواتین کو نظر انداز کر کے، جو سماج کا آدھا حصہ ہے، کوئی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس سے اسلامی تحریکیں واقف ہیں۔ عورت دراصل سماج کی آنکھ ہے۔ الیکشنوں میں خواتین کی رائے دہی فیصلہ کن اور حتمی شے ہے۔ مسلم یونیورسٹیوں میں بڑی تعداد میں طالبات ہیں۔ ان حقیقتوں کو نظر انداز کرنا کسی اسلامی تحریک کے لیے اچھا نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زیر اہتمام تقریباً تمام انقلابات میں خواتین نے اپنا کردار بحسن و خوبی ادا کیا ہے۔ گھروں میں وہ مجاہدوں کی ماں بنیں، میدان جنگ میں وہ مجاہدوں کے ساتھ گئیں، علم میں وہ مردوں کے برابر رہیں، سیاست میں انہوں نے دور اندیشی ظاہر کی۔ اسلام سے قبل بھی اور پچھلی کئی صدیوں میں بھی زمانہ دراز تک وہ زبوں حالی کا شکار رہیں۔ سماج سے دور ہو کر چھپتی رہیں۔ ان حالات کو درست کرنے کے لیے اب اسلامی تحریکیں حتی الامکان کوشش کر رہی ہیں۔ تاہم یہ بات بھی درست ہے کہ وہ اپنی کوشش میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ اس میدان میں فلسطین کی حماس نے جو کام کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے۔ حماس کی کامیابی کار از خواتین کی سرگرمیاں ہیں۔ اپنے بچوں کو تیار کر کے جہاد میں بھیجنے والی ماں، نوجوانوں کے ساتھ میدان جنگ میں یہود کے خلاف پتھر مارنے والی لڑکیاں، شوہروں کو جہاد کے لیے ابھارنے والی بیویاں، یہود کے قید خانوں میں صبر کے ساتھ زندگی گزارنے والی عالمات، سیاست میں سرگرم عمل خواتین، ان سب کو لے کر حماس اپنے ساحل مقصود کی طرف گامزن ہے اور ایک تجدیدی تحریک کی حیثیت سے نت نئے کوششے دکھاتی رہتی ہے۔ حماس کی اس تیز رفتاری کا سبب خواتین کی ناقابل فراموش سرگرمیاں ہیں۔ اب تقریباً تمام اسلامی تحریکوں کی سرگرمیوں میں خواتین کی نمائندگی موجود ہے۔ افغانستان، اردن اور مراکش جیسے ملکوں

میں الیکشن کے وقت پردہ دار عورتوں کی تصویریں و بیچ پینے پر دیکھ سکتے ہیں۔ مراسم میں Justice and Development Party کے پارلیمانی ممبران میں ۶ خواتین بھی ہیں۔ ترکی میں Justic and Development Party نے ۶۳ خواتین کو اپنا امیدوار بنایا اور فلسطینی پارلیمنٹ میں حماس کی خواتین ممبران موجود ہیں۔ ان میں ڈاکٹر مریم صالحہ بھی ہیں جو اسرائیلی قید خانے میں تھیں۔ کویت اور بحرین میں الاخوان المسلمون خواتین کو انتخابات میں امیدوار نہیں بناتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ خلیج میں وہ اپنے پرانے موقف کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خواتین کو اپنی رائے دہی تک کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں اس موقف پر اخوان کو نظر ثانی کرنا پڑی۔ یورپ اور امریکا میں اسلامی تحریکوں کے قائدین میں بے شمار تعلیم یافتہ خواتین ہیں۔ شیخ راشد الغنوشی اور ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی جیسے عصر حاضر کے مفکرین نے خواتین کی نمائندگی کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی نے تحریک اسلامی کے اندر مردوں کے اندھا دھند زور کی مذمت کی ہے۔ جبکہ شیخ غنوشی نے اس موقف سے اختلاف کیا ہے کہ عورت کو ملک کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز نہ ہونا چاہیے۔ حال ہی میں جب شیخ غنوشی نے کیرالا کا دورہ کیا تو انہوں نے یہ کہا کہ کیرالا کی اسلامی تحریک، دوسری اسلامی تحریکوں کے لیے ہر معنیٰ میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس میں خواتین کی نمائندگی بہت کم ہے۔

### ANS 03

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا گھرانہ ان خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت و محبوبیت سے خوب نوازا تھا۔ اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق و اخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے نسل در نسل اس خاندان میں علماء و فضلاء، اہل کمال، مقبولین اور اللہ والے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ جہاں اس خاندان کے مردوں میں جذبہ جہاد، تقویٰ و نیکی، دین کی اشاعت و ترویج کا عام رواج تھا وہاں ان کی عورتیں بھی دینداری، عبادت گزاری، شب بیداری اور ذکر و تلاوت میں پیچھے نہ تھیں بلکہ اس خاندان کی عورتوں میں بھی قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر اور احادیث کے مطالعہ کی عام عادت تھی۔

آپ کے والد مولانا محمد اسماعیلؒ ولی کامل اور والدہ محترمہ بھی ”رابعہ سیرت“ خاتون تھیں جنہوں نے آپ کی پرورش و تربیت میں کوئی کمی نہ چھوڑی، چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید اور دینی علوم کی تعلیم احسن طریقہ سے امتیازی شان اور نمایاں انداز میں مکمل کر لی تھی، نیکی و تقویٰ کی صفات بچپن میں ہی آپ کے اندر نمایاں اور خاندان میں آپ کی شہرت ولی کامل کی تھی۔

آپؑ نے جہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن جیسے مجاہد عالم دین سے علم حاصل کیا وہاں دوسری طرف آپؑ نے اپنے وقت کے قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے تصوف و سلوک کی منازل تیزی سے طے کیں۔۔۔ ایک مرتبہ آپؑ نے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ذکر کرتے ہوئے میرے دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے حضرت گنگوہیؒ یہ سن کر متفکر ہوئے اور فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس قسم کی شکایت کی تھی تو حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے جواب فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ آپؑ سے کام لیں گے۔“

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے جب اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو ہر طرف دین سے دوری عقائد کی خرابی اور اعمال و عقائد کا بگاڑ دیکھا کہ لوگ شرک و بدعت، جہالت اور ضلالت و گمراہی کے ”بحر ظلمات“ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو ان کے دل پر چوٹ لگی اور وہ امت محمدیہ ﷺ کی اصلاح کے سلسلہ میں متفکر و پریشان دیکھائی دینے لگے، آپؑ نے محسوس کیا کہ عام دینداری جو پہلے موجود تھی اب ختم ہوتی اور سمٹی چلی جا رہی ہے، پہلے یہ دین داری خواص تک اور مسلمانوں کی ایک خاص تعداد میں رہ گئی تھی پھر اس کا دائرہ اس سے بھی تنگ ہوا اور ”انخص الخواص“ میں یہ دینداری باقی رہ گئی ہے پہلے جو خاندان اور قصابات و علاقے اور شہر ”رشد و ہدایت“ کے مراکز سمجھے جاتے تھے ان میں بھی اس قدر تیزی کے ساتھ انحطاط و زوال ہوا کہ اب ان کی ”مرکزیت“ ختم ہوتی جا رہی ہے جہاں پہلے علم و عمل کی قد بلیں روشن رہتی تھیں اب وہ بے نور ہیں، دوسری بات انہوں نے یہ محسوس کی کہ علم چونکہ ایک خاص طبقہ تک محدود رہ گیا ہے اس لیے آپؑ یہ چاہتے تھے کہ عوام الناس میں پھر سے دینداری پیدا ہو، خواص کی طرح عوام میں بھی دین کی تڑپ اور طلب پیدا ہو، ان میں دین سیکھنے سکھانے کا شوق و جذبہ انگڑائیاں لے، اس کے لیے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ ہر ایک دین سیکھے، کھانے، پینے اور دیگر ضروریات زندگی کی طرح دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو بھی اپنی زندگی میں شامل کریں اور یہ سب کچھ صرف مدارس و مکاتب اور خانقاہی نظام سے نہیں ہوگا کیونکہ ان سے وہی فیضیاب ہو سکتے ہیں جن میں پہلے سے دین کی طلب ہو اور وہ اس کا طالب بن کر خود مدارس و مکاتب اور

Skillings.pk

WhatsApp: 03144646739

WhatsApp: 03324646739

خانقاہوں میں آئیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی محدود لوگ ہوتے ہیں اس لیے مولانا الیاس کاندھلوی ضروری سمجھتے تھے کہ ”دعوت و تبلیغ“ کے ذریعہ ایک ایک دروازہ پر جا کر اخلاص و ولایت کے ساتھ منت و سماجت اور خوشامد کر کے ان میں دین کے ”احیاء“ کی طلب پیدا کی جائے کہ وہ اپنے گھروں اور ماحول سے نکل کر تھوڑا سا وقت علمی و دینی ماحول میں گزاریں تاکہ ان کے دل میں بھی سچی لگن اور دین سیکھنے کی تڑپ پیدا ہو اور یہ کام اسی دعوت والے طریقہ سے ہو گا جو طریقہ اور راستہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا اور جس پر چلتے ہوئے صحابہ کرامؓ جیسی مقدس اور فرشتہ صفت جماعت پوری دنیا پر اسلام کو غالب کرنے میں کامیاب ہوئی اور پھر جب اس دعوت و تبلیغ سے عام فیضاء دینی بنے گی تو لوگوں میں دین کی رغبت اور اس کی طلب پیدا ہوگی تو مدارس و خانقاہی نظام اس سے کہیں زیادہ ہو گا بلکہ ہر شخص مجسم دعوت اور مدرسہ و خانقاہ بن جائے گا۔۔۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دین کے لیے تڑپ و بے چینی اور درد و بے قراری دیکھنے میں نہیں آتی تھی، مسلمانوں کی دین سے دوری پر آپؒ انتہائی غمگین و پریشان اور اس فکر میں ڈوبے رہتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر کسی طرح دین دوبارہ زندہ ہو جائے۔۔۔ بعض اوقات اسی فکر میں آپؒ ”ماہی بے آب“ کی طرح تڑپتے آہیں بھرتے اور فرماتے تھے میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا ہی نہیں۔۔۔ کبھی دین کے اس درد و فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور جب بے چینی بڑھتی تو راتوں کو فکر سے اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔۔۔ ایک رات اہلیہ محترمہؒ نے آپؒ سے پوچھا کہ کیا بات ہے نیند نہیں آتی؟۔۔۔ کئی راتوں سے میں آپؒ کی یہی حالت دیکھ رہی ہوں۔۔۔، جواب میں آپؒ نے فرمایا کہ! کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔۔۔ صرف آپؒ کی اہلیہ محترمہؒ ہی نہیں بلکہ آپؒ کے سوز و درد کا اندازہ ہر وہ شخص آسانی کے ساتھ لگا سکتا تھا جو آپؒ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور باتیں سنتا تھا، آپؒ کا بس نہیں چلتا تھا کہ سب لوگوں کے دلوں میں وہی آگ پھونک دیں جس میں وہ عرصہ سے جل رہے تھے۔۔۔ سب اس غم میں تڑپنے لگیں جس میں وہ خود تڑپ رہے تھے، سب میں وہی سوز و گداز پیدا ہو جائے جس کی لطیف لمس سے آپؒ کی روح جھوم اٹھتی تھی جب ایک جانے والے نے خط کے ذریعہ آپؒ

Skillings.pk

WhatsApp: 03144646739

WhatsApp: 03324646739

سے خیریت دریافت کی تو آپ نے سوز و درد میں ڈوبے ہوئے قلم کے ساتھ جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ”طبیعت میں سوائے تبلیغی Skilling.pk WhatsApp: 03144646739 WhatsApp: 03324646739  
درد کے اور خیریت ہے۔“

اور پھر مولانا محمد الیاسؒ خود سراپا دعوت بن کر ”دعوت و تبلیغ“ والے کام کو لے کر بڑی دلسوزی کے ساتھ دیوانہ وار ”میوات“ کے ہر علاقہ میں پھرے ہر ایک کے دامن کو تھاما، ایک ایک گھر کے دروازہ پر دستک دی کئی کئی وقت فاقے کیے، گرمی و سردی سے بے پرواہ ہو کر تبلیغی گشت کیے۔۔۔ اور جب لوگوں نے آپؒ کی حسب خواہش آپؒ کی آواز پر ”لبیک“ نہ کہا تو آپؒ بے چین و بے قرار ہو کر راتوں کو خدا کے حضور روتے گڑ گڑاتے اور پوری امت کی اصلاح کے لیے دعا کرتے۔۔۔ اور پھر اپنی اہمیت و طاقت، مال و دولت سب کچھ ان میواتیوں پر اور ان کے ذریعہ اس تبلیغی کام پر لگا دیا۔۔۔ اس دوران اپنے رفقاء اور ساتھیوں کو ایک خط میں آپؒ تحریر فرماتے ہیں کہ! تم غور کرو، دنیاۓ فانی میں کام کیلئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس دعوت و تبلیغ کے کام کے لیے صرف ایک آدمی کو کہا جائے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹایا، یا نہیں گھٹایا؟۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ندھلویؒ اپنے ایک مکتوب میں میواتی حضرات کو تحریر فرماتے ہیں کہ ”میں اپنی قوت و ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو قربان کر دوں کوئی اور پونجی نہیں ہے۔۔۔“

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ میواتی حضرات نے اپنے جان و مال اور زندگیوں کو اس کام پر قربان کر دیا۔۔۔ اور پھر ایک ایک گھر سے ایک ہی وقت میں کئی کئی افراد دین کے کام کے لیے باہر نکلنے لگے۔۔۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ ابتداء میں یہی میواتی لوگ جن کو اپنے گھر اور گاؤں سے نکلنا مشکل تھا اب وہ مولانا الیاسؒ کی محنت سے اس دعوت و تبلیغ کی فکر لے کر ملک ملک، شہر شہر دین کی خاطر پھرنے لگے۔

مولانا الیاسؒ کی یہ عالمگیر ”احیائے اسلام کی تحریک“ جیسے ظاہر میں لوگ صرف کلمہ و نماز کی تحریک کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ کوئی معمولی کام اور تحریک نہیں بلکہ یہ پورے دین کو عملی طور پر زندگی میں نفاذ کی تحریک ہے۔۔۔ اس تحریک اور Skilling.pk WhatsApp: 03144646739 WhatsApp: 03324646739



جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس خود اپنی اس تحریک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”میرا مدعا کوئی پاتا نہیں“، لوگ سمجھتے

ہیں یہ ”تحریکِ صلوٰۃ“ ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ہر گز تحریکِ صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ ہماری جماعت اور تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ کا لایا ہوا دین پورا کا پورا سیکھا دیں یہ تو ہماری تحریک کا مقصد، رہی تبلیغی قافلوں کی چلت پھرت، تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت ہے۔۔۔۔۔

ہماری تبلیغی تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اس راستہ سے مقصد کی دعوت کو پیدا کرتے ہوئے اور اکرامِ مسلم کے اصول کو رواج دے کر پوری قوم کو اس حدیث کے مصداق بنایا جائے۔

ترجمہ: ”تمام مسلمان ایک جسم و جان کی مانند ہیں“۔ اور ہمارے تبلیغی کام میں اخلاص، صدقِ دل کے ساتھ اجتماعیت اور مل جل کر باہمی مشورے کے ساتھ کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔۔۔۔۔

مولانا الیاسؒ نے اس دعوت و تبلیغ والے کام کے طریقہ کار اور چھ اصولوں کے علاوہ کچھ مطالبے اور دینی تقاضے بھی رکھے ہیں جس کے تحت اس دعوت و تبلیغ والے کام کی محنت و ترتیب اور مشورہ کے لیے روزانہ کم از کم دو سے تین گھنٹے وقت دینا، ذکر و اذکار اور اعمال کی پابندی کرناروزانہ دو تعلیمیں کروانا ایک مسجد میں اور ایک گھر میں، ہفتہ میں دو گشت کرنا، جس کے تحت کچھ وقت نکال کر اپنے ماحول میں ضروریاتِ دین کی تبلیغ کیلئے باقاعدہ جماعت بنا کر ایک امیر اور ایک نظام کی ماتحتی میں اپنی جگہ اور قرب و جوار میں تبلیغی گشت کرنا، ہر مہینہ میں تین دن اس دعوت و تبلیغ والے کام میں لگاتے ہوئے اپنے شہر یا قرب و جوار کے علاقہ میں گشت و اجتماع کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس دعوت و تبلیغ والے کام پر نکلنے کیلئے آمادہ اور تیار کرنا، سال میں ایک ”چلہ“، یعنی چالیس دن اللہ کے راستہ میں دعوت و تبلیغ کیلئے لگانا، اور پھر چار مہینے (تین چلے) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکل کر لگاتے ہوئے دین اور اس دعوت و تبلیغ والے کام کو سیکھے اور پھر ساری

زندگی اسی کام میں صرف کرنا۔ بقول حضرت مولانا پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ”اس دعوت و تبلیغ والے کام کو کرتے کرتے مرنا اور مرتے مرتے کرنا ہے۔“

مولانا محمد الیاسؒ نے اس دعوتی سفر اور نقل و حرکت کے ایام کا ایک مکمل نظام الاوقات مرتب کیا جس کے تحت یہ تبلیغی جماعتیں اپنا وقت گزراتی ہیں۔۔۔ ایک وقت میں گشت، ایک وقت میں اجتماع، ایک وقت میں تعلیم، ایک وقت میں حوائج ضروری کا پورا کرنا اور پھر ان سارے کاموں کی ترتیب و تنظیم۔۔۔ گویا کہ یہ تبلیغی جماعت ایک چلتی پھرتی خانقاہ، متحرک دینی مدرسہ، اخلاقی و دینی تربیت گاہ بن جاتی ہے۔ مولانا الیاسؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقہ کار میں دین کے واسطہ جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے صالح اور متحرک دینی ماحول میں آجاتا ہے۔۔۔ اور پھر اس دعوت و تبلیغ والے سفر اور ہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں پیش آتی ہیں اور در بدر پھرنے میں جو ذلتیں اللہ کے لیے برداشت کرنا ہوتی ہیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص طور پر متوجہ ہوتی ہیں۔

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا ندھلویؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں ”یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائیداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیا فرماتے ہیں؟۔۔۔ امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں، جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کہیں قتل ہوتا تو ساری امت ہل جاتی اور تڑپ اٹھتی، اب ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں میں جوں نہیں رینگتی۔“

آج پوری دنیا میں تبلیغی جماعت اس دعوت و تبلیغ والے کام کو پوری محنت، اخلاص و ولہیت اور ایک نظم کے ساتھ کر رہی ہے اور اس کام

کے اثرات و ثمرات سے آج کوئی بھی ذی ہوش انسان انکاری نہیں۔۔۔ اللہ کی مدد و نصرت سے ناقابل یقین حد تک کامیابی ہو رہی ہے۔۔۔ دن رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و معصیت اور فسق و فجور میں زندگی گزارنے والے

لاکھوں افراد تبلیغی جماعت کی بدولت تہجد گزار، متقی، پرہیزگار اور دین کے داعی بنتے ہوئے نظر آ رہے ہیں لوگوں کے عقائد درست ہو رہے ہیں، لوگ تیزی کے ساتھ اعمال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور اپنے آپ کو حضور ﷺ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

## ANS 04

گزشتہ صدی میں دنیا کے متعدد ملکوں میں اسلامی تحریکات بہت واضح ہدف کے ساتھ وجود میں آئیں۔ وہ ہدف یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین یعنی اسلامی نظام قائم ہو جائے۔ اس ہدف کی حتمیت پر انہیں پورا یقین اور کامل اطمینان تھا۔ اس وقت ان تحریکوں کے وجود میں آنے کی وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اسی صدی میں غیر اسلامی نظاموں کی گونج ساری دنیا میں سنائی دے رہی تھی، اس سے پہلے حکومتیں چلتی تھیں مگر کسی نظام کا نام لیے، اور مسلم دنیا میں کوئی حکمران خواہ اس کا طرز حکمرانی کیسا ہی ہو، یہ دعویٰ نہیں کرتا تھا کہ وہ کوئی مخصوص انسانی نظام نافذ کرے گا۔ مسلم حکمران کے سلسلے میں اصولی طور پر یہی امید رکھی جاتی تھی کہ وہ اسلام کے مطابق طرز حکمرانی اختیار کرے گا، خواہ عملاً ایسا نہیں ہوتا ہو۔ اسلامی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ مسلم حکمران علی الاعلان غیر اسلامی نظام نافذ کر رہے تھے، یہ بات مسلم دنیا کے لیے اس قدر نئی تھی کہ بقول ایک صاحب فکر کے، فقہاء نے بہت سے انہوں نے مسائل فرض کیے تھے لیکن اس مسئلے کی طرف ان کا ذہن ہی نہیں گیا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

## دین کا نفاذ

اللہ کے دین کو ماننے والے اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اور اپنے ملک کے ہر شعبے میں اللہ کے دین کو نافذ کریں، اور پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے خاص کر دیں، اس کے لیے قرآن مجید کی ایک دو آیتیں نہیں بلکہ پورا قرآن مجید نہایت روشن دلیل ہے۔ ایک دو حدیثیں نہیں بلکہ پورا مجموعہ احادیث، ایک دو واقعات نہیں بلکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت اور ایک دو کردار نہیں بلکہ رسول کے اصحاب کی پوری تاریخ اس پر گواہی دیتی ہے۔ غرض اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہو، یہ قرآن و سنت کی رو سے ایک مسلمہ امر ہے۔ یہ نظام انسانوں کے ذریعہ ہی سے قائم ہو گا یہ بھی اللہ کی سنت ہے، جس پر نبیوں کی تاریخ گواہ ہے۔ اسلامی تحریکات کا یہ موقف بلاشبہ نہایت مضبوط ہے کہ دنیا میں اسلامی نظام قائم ہو۔

اسلامی تحریکات کا یہ فیصلہ بھی نہایت مناسب اور مستحکم ہے کہ انسانوں کو اسلامی نظام کے قیام کی ضرورت سے واقف کرانے کے لیے تحریکیں وجود میں آئیں اور وہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اسلامی تحریکات کے اس موقف سے بھی مکمل اتفاق ہے کہ اگر نظام کو تبدیل کرنے کے لیے جمہوریت کی شکل میں ایک پرامن طریقہ موجود ہے تو اس طریقہ کو اختیار کرنا چاہیے، اور کسی ایسے طریقہ کا خیال بھی دل میں نہیں

لانا چاہیے جس سے تشدد چھوٹے اور خون خرابہ ہوئے کا اندیشہ ہو۔ اس مضمون میں صرف اس بات سے بحث کی گئی ہے کہ کیا اسلامی تحریکات و انتخابات میں شریک ہو کر اسلامی نظام چلانے کے لیے خود کو پیش کرنا

چاہیے؟

## براہ راست شرکت:

عام طور سے اسلامی تحریکات میں رائج و مقبول خیال یہ ہے اسلامی تحریکات کو سیاسی پارٹی بن کر یا کسی دوسرے نام سے سیاسی پارٹی بنا کر انتخابی سیاست کی مقابلہ آرائی میں حصہ لینا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تجویز میں نہ تو کوئی شرعی ممانعت نظر آتی ہے، اور نہ کوئی اخلاقی قباحت نظر آتی ہے۔ البتہ اس پر غور کرتے رہنا ضروری ہے کہ اصل ہدف یعنی اسلامی نظام کے قیام کے حصول کے لیے ایسا کرنا مناسب اور مفید ہے یا نہیں۔ جب ایک اسلامی تحریک خود کو نظام چلانے کے لیے پیش کرتی ہے تو حسب ذیل بڑے نقصانات کا اندیشہ رہتا ہے:

(نقصانات اور آزمائشوں میں فرق واضح رہے، ہدف کا گم ہو جانا، اور داعی کی شناخت کا محسوس ہو جانا ”نقصان“ ہے، اور اس راہ میں حبابی و مالی ضرر ”آزمائش“ ہے، اس تجزیہ میں آزمائشوں سے بچنے کی فکر پیش نظر نہیں بلکہ نقصانات سے بچنے کی فکر پیش نظر ہے)

۱: (انتخابی مقابلے میں حصہ لینے کی صورت میں اسلامی تحریک ملک کی دوسری سیاسی قوتوں کے لیے سیاسی حریف اور سیاسی مد مقابل بن جاتی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ ایک دعوتی تحریک اپنے مدعوین کے درمیان سیاسی حریف کی صورت اختیار کر لے۔ اسلامی تحریک کے وجود کا تقاضا ہوتا ہے کہ ملک کے تمام باشندے اسلامی تحریک کے مخاطب اور مدعو ہوں۔ عوام کے علاوہ سیاسی افراد، سیاسی جماعتیں، اور ملکی ادارے سب کے سب اسلامی تحریک کے مخاطب اور مدعو ہوں۔ مخاطب اور مدعو کا یہ رشتہ شدید طور سے متاثر ہو جاتا ہے جب اسلامی تحریک سیاسی مقابلے میں سامنے آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص جو اسلام کو پسند کرتا ہے مگر کسی وجہ سے اسلامی تحریک کو ووٹ نہیں دیتا، وہ بھی اسلامی تحریک سے ایک دوری پر چلا جاتا ہے۔

۲: (اسلامی تحریک جب انتخابی عمل میں شریک ہوتی ہے تو اسلامی تحریک کی کامیابی اور ناکامی کا پیمانہ انتخابی عمل کے نتائج قرار پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ نتائج اسلامی تحریک کی کارکردگی اور پیش قدمی کی صحیح عکاسی نہیں کرتے، واقعہ یہ ہوتا ہے کہ انتخابی نتائج حقیقی صورت حال پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اسلامی تحریک کی دعوت پھیل رہی ہو، لوگ اس سے متاثر بھی ہو رہے ہوں مگر متعدد وجوہ کی بنا پر اسلامی تحریک کو ووٹ نہ مل رہے ہوں، ایسی صورت حال میں دنیا کے سامنے پیغام بھی جاتا ہے کہ عوام نے اسلامی تحریک کو رد کر دیا، اور اسلامی تحریک کو رد کرنے کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ عوام نے اسلامی نظام کو رد کر دیا جس کے قیام کا مشن لے کر اور جس کے لیے خود کو اہل تر قرار دے کر اسلامی تحریک انتخابی میدان میں اتری ہے۔

۳: (اسلامی تحریک کے افراد کو انتخابی عمل میں جہاں کامیابی ملتی ہے وہاں خورد بینی نگاہوں سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی کارکردگی کیسی رہی، کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہونے کی صورت میں یہ تاثر پھیلتا ہے کہ اسلامی نظام کا نظریہ عملی سطح پر اطمینان بخش نہیں ہے۔ حالانکہ کارکردگی کا پورا تعلق نظریہ سے نہیں ہوتا ہے، اس میں مواقع کی دستیابی، عوام کی دینی و اخلاقی صورت حال، ذمہ دار فرد کی ذاتی قابلیت اور اس کا کمٹمنٹ، اور دیگر بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ لیکن اسلامی نظام چلانے کے لیے جب اسلامی تحریک خود کو اہل ترین جماعت کی حیثیت سے پیش کرتی ہے، تو فطری طور سے اسلامی تحریک کے افراد کی خراب کارکردگی اسلامی نظام کے نظریہ کو شدید نقصان پہنچاتی ہے۔ بڑا فرق ہے اس میں کہ قرآن میں ہر مسئلے کا حل ہے، اور اس میں کہ ہم قرآن مجید کی روشنی میں ہر مسئلہ کو حل کرنے والے واحد اہل یاد و سروں سے زیادہ اہل تر گروہ ہیں، پہلی صورت میں لوگ قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں دوسری صورت میں ہماری کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔

۴: (اسلامی تحریک جب انتخابی عمل میں انترمرملک کی تمام سیاسی ٹوٹوں کو اپنا سیاسی حریف بنا لیتی ہے، تو وہ ان کی سازشوں اور خرابیوں کا سامان نشانہ بن جاتی ہے۔ اسلامی تحریک کو ہمیشہ آزمائشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے، لیکن جب آزمائش خالص دعوتی وجوہات سے ہو، تو اس آزمائش سے دعوت میں غیر معمولی تاثیر اور کشش پیدا ہوتی ہے، لیکن انتخابی سیاست میں شریک ہونے کے بعد ایسی ہر آزمائش کو سیاسی سرچھٹول کا نشانہ بنا کر دیا جاتا ہے، اور پھر اس آزمائش میں وہ کشش اور تاثیر نہیں رہ جاتی۔

۵: (دعوتی گروہ کی اعلیٰ شان اس کی بے لوثی اور بے غرضی میں پنہاں ہوتی ہے۔ اسلامی تحریکات کا دنیاوی مصالح کے سلسلے میں وہی موقف ہوتا ہے جو انبیاء کا رہا ہے، کہ انہیں اپنی محنت کا صلہ دنیا سے نہیں چاہیے۔ تاہم انتخابی مقابلہ آرائی میں شرکت کرنے سے اسلامی تحریکات کا یہ عظیم اور بلند موقف ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اگرچہ اسلامی تحریکات کے سامنے اقتدار کا مقصد دنیا کا نہیں، مگر مخالف پروپیگنڈے کے ساتھ عوام کو یہ بات سمجھانا آسان بھی نہیں۔

۶: (انتخابی سیاست میں حصہ لینے کی صورت میں اسلامی تحریکات میں مفاد پرستوں کے داخلے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، عہدوں کی خواہش بہت سے موقع پرستوں کو تحریک میں لے آتی ہے۔ یہ موقع پرست ہر طرح سے تحریک کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ تحریک کے اندر جتنی اونچی پوزیشن حاصل ہوگی، تحریک کی سیاسی فتوحات میں بھی اتنا ہی بڑا حصہ پالینے کی امید رہے گی۔ تحریک کے اندر دنیاوی کامیابی کا چرچا زیادہ ہونے لگتا ہے، اسلامی تحریک کے اندر وہ ماحول بنتا ہے جسے دینی رنگ کی مادہ پرستی Religious Materialism سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۷: (ہر سیاسی پارٹی کی طرح اسلامی تحریک کو بھی سیاسی میدان میں آنے کے بعد موقع بہ موقع دوسری سیاسی پارٹیوں سے وقتی اتحاد کرنا پڑتا ہے، اس وقتی اتحاد کے پیچھے فوری اور ضروری مصالح کا حصول بھی ہو سکتا ہے، اور درپیش بڑے ضرر کو دفع کرنا بھی۔ اسلامی تحریک کے اس طرح کے اتحاد کو عوام کے درمیان اسلامی نظام کے سلسلے میں سمجھوتے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں صفائی پیش کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، خاص طور سے اگر اس اتحاد سے وہ نتائج نہ نکل سکیں جن کی توقع کی گئی تھی۔

۸: (انتخابی عمل کا بوجھ اسلامی تحریک کے اصل کام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ شروع میں ملنے والی قلیل اور چھوٹی سیاسی فتوحات بڑی فتوحات کی امید اس طرح پیدا کر دیتی ہیں، کہ پھر فتوحات کے پیچھے بھاگنے کا نشہ ساوار ہو جاتا ہے، اور پھر وہی کام سب سے اہم معلوم ہونے لگتا ہے، ساری جدوجہد اسی پر مرکوز ہونے لگتی ہے، تربیتی، تعلیمی اور دعوتی منصوبے نگاہوں میں افادیت کھونے لگتے ہیں۔ انتخابی مقابلہ بہت زیادہ محنت اور وسائل مانگتا ہے، اسلامی تحریک اپنا سب کچھ جھونک دے تو بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ جیسا لگتا ہے، ایسے میں انتخابی عمل کا بدگراں اٹھانے والی اسلامی تحریک اپنے اصل کام سے دست بردار ہونے پر مجبور ہونے لگتی ہے۔ اصل کام ہے اسلامی نظام کے لیے فرد کو تیار کرنا، اور اس کے لیے معاشرے کو ہموار کرنا، اور یہ کام تربیت اور دعوت کے بے شمار منصوبے مانگتا ہے۔ تربیت و دعوت کے نشانے مکمل نہ ہو پانے کی صورت میں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحریک کے نمائندہ افراد اسلام کے سچے نمائندے ثابت نہیں ہوتے، عوام کے دل و دماغ اور ان کا کیر کٹر اسلامی نظام کے لیے تیار نہیں ہوتا، بایں ہمہ ہر انتخاب کے موقع پر اسلامی تحریک اسلامی نظام کے نام پر ووٹ مانگنے کے لیے آتی ہے، اور نامراد واپس جاتی ہے، اس کی انتخابی قوت کا سارا دار و مدار اس پر رہ جاتا ہے کہ اس کی اپیل کس قدر جذباتی ہے۔ اگر کبھی کبھار کامیابی مل بھی جاتی ہے تو عوام کی خراب اخلاقی حالت اس کامیابی کو نہ برقرار رہنے دیتی ہے، اور نہ شمر آور ہونے دیتی ہے۔

۹: (اسلامی تحریک کے لیے کیڈر (کارکنوں) اور قیادت میں مطلوب بنیادی صلاحیتیں انتخابی عمل کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں، ایک داعی جماعت کو الگ طرح کی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں؟؟؟؟؟، میں، جبکہ ایک سیاسی جماعت کو دوسری طرح کی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتخابی عمل کے لیے مطلوب صلاحیتوں والے افراد ہی پوری تحریک پر حاوی ہو جاتے ہیں، اور تربیتی و دعوتی عمل کے لیے جو صلاحیتیں مطلوب ہیں وہ بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ عوام کی تالیاں جیت لینے والے شعلہ بیان مقررین ہی تحریک کے منصوبہ ساز اور اہل حل و عقد قرار پاتے ہیں۔

۱۰: (انتخابی عمل کی ضرورتیں اور ہنگامی نوعیت کی ہونی ہیں، ان میں مصروف ہونے کی وجہ سے تربیتی اور دعویٰ عمل کی ضرورتوں کی طرف سے شدید بے توجہی ہوتی ہے۔ دعویٰ عمل کی ضرورتیں طویل المدت ہوتی ہیں، اور ان کے لیے گہری منصوبہ بندی اور بہت زیادہ ذہنی یکسوئی درکار ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر تحریک کے تعلیمی اور تحقیقی ادارے اپنا اصل کام کرنے کے بجائے سیاسی مقررین اور سماجی کارکنان تیار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

۱۱: (انتخابی عمل میں داخل ہونے کے لیے کیڈر کی تعداد بڑھانے پر توجہ بڑھ جاتی ہے، جب کیڈر تحریک کی ضرورت بن جاتا ہے تو کیڈر کی پسند اور ناپسند بھی اہم ہو جاتی ہے۔ انجام کار معیارات گرنے لگتے ہیں، ضابطے ڈھیلے پڑنے لگتے ہیں، اور روایات پھکی پڑنے لگتی ہیں۔ تحریک کے اندر کیڈر کو سہولت بخش ماحول دینا اور اس کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا تحریک کی ضرورت بن جاتا ہے۔

۱۲: (انتخابی عمل میں بھرپور شرکت کے لیے عوام کی خوشنودی حاصل کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے، اور جہاں عوام کی خوشنودی اہمیت اختیار کرنے لگتی ہے، وہاں افراد اور تحریکیں اقدار، افکار اور کردار سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ پھر تحریک کی خاطر عوام کو تبدیل کرنے کے بجائے عوام کی خاطر تحریک کو تبدیل کرنے کے مطالبے خود تحریک کے اندر سے سراٹھانے لگتے ہیں۔

یہ کچھ اندیشے ہیں، ضروری نہیں کہ یہ سب ہر جگہ پائے جاتے ہوں، بلاشبہ ان میں سے کچھ پر یا بیشتر پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے۔ اور اگر انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ ہی کیا جائے، تو ان اندیشوں سے تحریک کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ اسلامی تحریکات کے لیے اس پر سنجیدگی اور گہرائی سے غور کرنا ضروری ہے کہ ان متوقع نقصانات کو کم سے کم کس طرح کیا جائے۔ اس سلسلے میں بحث و نظر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کیا کسی ملک کے سیاسی نظام کو بدلنے کے لیے سیاسی پارٹی کی صورت میں انتخابی مقابلے میں حصہ لینا ضروری ہے، یا اس کے بغیر بھی عوامی رائے عامہ پر توجہ کر کے عوامی تربیت کر کے نظام کی تبدیلی کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

راقم کا خیال ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے انتخابات والا راستہ نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ اس منزل کا راستہ ہی نہیں ہے۔ اسے ضروری سمجھ لینے ہی کی وجہ سے اسلامی تحریکات نے اسے اختیار کیا۔ ستم یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ ایک آسان شارٹ کٹ بھی محسوس ہوتا ہے۔ سیکولرزم، نیشنلزم، کمیونزم وغیرہ نظریات کے لیے تو یہ راستہ ایک شارٹ کٹ کے طور پر کامیاب قرار پا سکتا ہے، کیونکہ ان نظریات کا اثر پوری زندگی پر نہیں پڑتا۔ عموماً انفرادی زندگی ان نظریات کے اثر سے مستثنیٰ سمجھی جاتی ہے۔ یہ نظریات بسا اوقات محض پرکشش مگر کھوکھلے نعروں سے غذا پاتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نظریات کوئی بہت بڑی ذمہ داری بھی اپنے حاملین پر عائد نہیں کرتے، اس کے علاوہ ان نظریات کو دنیا پرستی اور خود غرضی کے ساتھ جمع کرنے میں کوئی رکاوٹ مانع نہیں ہوتی۔ لیکن اسلامی نظام قائم کرنے میں وہ نزاکتیں ہیں جو ایسے کسی شارٹ کٹ کی منتقل نہیں ہو سکتی ہیں۔

## انتخابی عمل میں عدم شرکت:

اس پہلے خیال کے مقابلے میں دوسرا خیال یہ ہے کہ اسلامی تحریکات اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد تو بھرپور کریں، مگر نظام چلانے کے لیے خود کو کبھی پیش نہ کریں۔ نہ تو انتخابی عمل میں حصہ لیں، اور نہ ہی کسی منصب کے مقابلے میں شامل ہوں۔ نہ یہ شرکت اسلامی تحریک کے نام سے ہو، اور نہ ہی کسی دوسرے نام سے سیاسی پارٹی بنا کر ہو۔ نہ یہ کام کی ابتدا میں ہو، اور نہ ہی یہ مستقبل قریب یا مستقبل بعید کے لائحہ عمل میں رہے۔ اول روز سے یہ بات طے شدہ رہے کہ یہ اسلامی تحریک ہے اور یہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے ذہن سازی کرے گی، اس کے لیے ماحول بنائے گی، اس کے لیے بہترین صلاحیتیں تیار کرے گی، اور بہترین صلاحیتوں والے افراد کو اس مقصد کی جانب راغب کرے گی۔ یہاں تک کہ اسلامی نظام ہی ملک کے لوگوں کی چوائس اور پسند بن جائے، اور پھر وہی ملک کا آئین قرار پائے۔ اس کے بعد اسلامی نظام کو چلانے کے لیے ملک کے عوام انہیں منتخب کریں جنہیں وہ اس کے لیے اہل اور بہتر سمجھتے ہوں۔ تاہم اس آخری مرحلے میں بھی اسلامی تحریک بطور اسلامی تحریک خود کو اس انتخابی عمل میں شامل نہیں کرے گی، بلکہ وہ اسلامی تبدیلی کی حفاظت کے لیے خود کو وقف رکھے گی۔

اس خیال کی مزید تشریح کے لیے درج ذیل باتیں بھی سامنے رہیں:



1( اس طرح اسلامی تحریک کا دائرہ کار بہت وسیع ہو جائے گا۔ ملک کے تمام عوام تحریک کے مخاطب ہوں گے، ملک کی تمام سیاسی پارٹیاں بھی اسلامی تحریک کی مخاطب ہوں گی، اسلامی تحریک ہر سیاسی پارٹی کے اندر نفوذ کرے گی، خواہ وہ پارٹی کسی بھی نظریے کی حامل ہو، اسلامی تحریک کے سامنے کسی سیاسی پارٹی کو ہر انا نہیں ہوگا، بلکہ اس کا ہدف ہر سیاسی پارٹی کے اندر اسلامی نظام کے نظریے کو فروغ دینا ہوگا۔ اسلامی تحریک یہ چاہے گی کہ آنے والے وقت میں عوام بھی اسلامی نظام کے لیے آمادہ ہو جائیں اور سیاسی پارٹیاں بھی اسلامی نظام کے لیے آمادہ اور تیار ہو جائیں۔ جس طرح پہلے زمانے میں غیر مسلم بلکہ اسلام دشمن قبیلوں کو بھی اسلام کی دعوت دی جاتی تھی، اسی طرح عہد حاضر میں سیاسی پارٹیوں کو اسلامی فکر اور اسلامی نظام کا مخاطب بنایا جائے گا۔ کوئی بعید نہیں کہ ایک پارٹی جو مذہب کے انکار پر قائم ہوئی تھی، اسلامی تحریک کی کوششوں کے نتیجے میں ایک اسلام پسند پارٹی میں تبدیل ہو جائے۔

2( اسلامی تحریک کوشش کرے گی کہ حکومت بنانے اور حکومت چلانے کے بہتر سے بہتر طریقوں کو دریافت کیا جائے۔ اسلامی تحریک موجودہ طریقوں کے اندر پائی جانے والی خامیوں کو سب کے سامنے لائے گی، اور مجوزہ طریقے کی خوبیاں دلائل کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کرے گی۔ طریقہ انتخاب اور طریقہ حکومت کے سلسلے میں فکر و تحقیق کرنے کے لیے اسلامی تحریک بہترین دماغوں کو متوجہ کرے گی، اور انہیں اس کام کے لیے تیار کرے گی۔ اسلامی تحریک اپنی اصلاحی تجاویز کے ذریعہ پورے ملک کے لیے ایک مسیحا کا رول ادا کرے گی۔ چونکہ وہ انتخابی کشمکش اور مقابلہ آرائی سے دور رہ کر یہ کام کرے گی، اس لیے یہ امید بجا ہوگی کہ اس کے کاموں کو ہر حلقے میں اچھی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اصلاحی تجاویز کی پشت پر انتخابی ایجنڈا نہ ہو تو وہ سب کے لیے قابل قدر ہوتی ہیں۔

3( اسلامی تحریک کو چونکہ اپنے افراد کو اقتدار پر نہیں لانا ہوگا، اس لیے وہ پوری آزادی اور قوت کے ساتھ اپنے افکار اور اپنی قدروں کو پیش کر سکے گی۔ اس سلسلے میں اس کے اوپر نہ جماعتی مصالح کا باؤ ہوگا، اور نہ ہی عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کا محرک پریش ہوگا۔

4( اسلامی تحریک کے سامنے چونکہ اپنی افرادی طاقت سے حکومت بنانے کا ہدف نہیں ہوگا، اس لیے بھیڑ جمع کرنے کے بجائے ساری توجہ دعوتی قوت میں اضافے پر مرکوز رہے گی، افراد کے کردار کی مضبوطی، فکر کی پختگی، دعوتی صلاحیتوں میں مہارت اور اعلیٰ ہدف سے محبت یہ اوصاف اسلامی تحریک کا حقیقی سرمایہ اور اصل قوت ہوں گے جس کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے گی۔

5( انتخابی سیاست سے دور رہنے کی وجہ سے، اور سارے عوام اور تمام سیاسی پارٹیوں اور اداروں کو اپنا میدان کار سمجھنے کی وجہ سے اسلامی تحریک کی کوشش یہ ہوگی کہ اس کے فکری اثرات ہر جگہ پہنچ جائیں، مقننہ اور انتظامیہ بھی اسلامی تحریک سے متاثر ہو، عدلیہ اور فوج میں بھی اس کی فکر عام ہو، صحافت اور تعلیم کے میدانوں میں بھی اس کے افکار کو فروغ حاصل ہو، سماج کی جڑوں (Deep Society) میں بھی اسلامی نظام کی فکر رواں دواں ہو جائے، اور حکومت کی جڑوں (Deep state) میں بھی اسلامی نظام کی فکر رچ بس جائے۔

6( انتخابی مقابلہ آرائی سے دور رہنے کی وجہ سے اسلامی تحریک بڑی حد تک مخالفوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ کر کام کر سکے گی۔ اس کی افرادی قوت کا کہیں مظاہرہ نہیں ہوگا، مگر اس کے فکری اثرات ہر طرف پھیلتے جائیں گے۔ اگر آزمائشیں آئیں گی، تو وہ خالص دعوتی نوعیت کی آزمائشیں ہوں گی، جس کا اسلامی تحریک کو بھرپور فائدہ ملے گا۔ اس کے علاوہ شدید آزمائشیں پوری تحریک کو لپیٹ میں لینے کے بجائے اس کے کچھ حصہ کو ہی متاثر کر سکیں گی، پہلی صورت میں تو پوری کی پوری تحریک لپیٹ میں آجاتی ہے۔

7( اسلامی تحریک کے سامنے یہ بات بھی رہے گی کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنے والی تحریک ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دینا پوری امت کی ذمہ داری ہے، اور پوری امت کے انجام دینے سے ہی یہ ذمہ داری ادا ہو سکے گی۔

8( امت کے اندر یا امت کے بالمقابل اسلامی تحریک کا کوئی الگ تشخص نہیں بنے گا، اسلامی تحریک اس طرح امت کی رگ و پے میں رواں دواں ہوگی کہ وہ امت کی صورت حال میں بڑی تبدیلی لائے گی، مگر اس میں اور امت میں تشخص اور پہچان کا کوئی فرق نہیں ہوگا۔

9: (اسلامی تحریک حاصل دعوتی تحریک ہوئی، وہ اپنے دہمہ امت کے کاموں کا اضافی بوجھ بطور جماعت نہیں لے سکتی، امت کے تمام کام امت کو انجام دینیے ہوں گے، اسلامی تحریک کے افراد بطور ادا امت وہ سب کچھ کریں گے جو امت کے کرنے کے کام ہیں، لیکن اسلامی تحریک کے کارکن کے طور پر وہ صرف دعوتی کام کریں گے، اسلامی تحریک دعوتی ذمہ داری کو بھی پوری امت کی ذمہ داری سمجھتے ہوئے امت کو دعوتی کام میں شامل ہونے کے لیے آمادہ کرتی رہے گی، کسی بھی کام میں اسلامی تحریک کا امت کے کسی بھی ادارے سے مقابلہ یا ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ جو بھی کشش ہوگی وہ اسی نوعیت کی ہوگی جیسی کشش سے انبیاء کرام کو گزرنے لگا ہے۔

10: (اسلامی تحریک کے لیے اپنا جماعتی تشخص زیادہ اہم نہیں رہے گا، اس لیے اس کا کسی مسلم دینی جماعت سے یا مسلم دینی ادارے سے حریفانہ مقابلہ بھی نہیں ہوگا، وہ ہر جماعت اور ادارے کے ذریعے درست افکار کو فروغ دینے کی کوشش کرے گی، اس کی فکر سے متاثر ہونے والے کے لیے اپنی جماعت اور ادارے کو چھوڑ کر تا ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ مقصود یہ ہوگا کہ امت کے اندر جتنی دینی جماعتیں اور ادارے ہیں، خواہ اس وقت ان کی فکر جو بھی ہو، وہ سب اسلامی تحریک کی فکر کو بتدریج قبول کر لیں، خواہ ان کی جماعتی ساخت پہلے کی طرح برقرار رہے۔

11: (اسلامی تحریک کے سامنے ہدف یہ ہوگا کہ اسلامی نظام کو قیام کی فکر سیاسی سطح پر زیادہ سے زیادہ پھیلے، اس لیے وہ یہ ضروری نہیں سمجھے گی کہ جو اس کی فکر سے متاثر ہو، وہ اپنی سیاسی پارٹی یا اپنا حکومتی ادارہ یا اپنی سماجی پوزیشن چھوڑ کر اسلامی تحریک میں شمولیت اختیار کرے، اس کے ہدف کے حصول کے لیے یہ زیادہ مفید ہوگا کہ جو جہاں ہے وہیں پر رہتے ہوئے اس فکر سے متاثر ہونے کے بعد دوسروں تک اس فکر کو پہنچائے تاکہ وہ فکر کسی ایک گروہ اور ایک جماعت تک محدود رہنے کے بجائے ہر جگہ پائی جائے۔

12: (پہلی صورت میں ہوتا یہ ہے کہ انتخابات میں اسلامی تحریکات اس منشور کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق حکومت چلائیں گی، اسلامی تحریکات پورے خلوص کے ساتھ یہ منشور پیش کرتی ہیں، لیکن مقابل فریقوں کو یہ تاثر پھیلانے کا خوب خوب موقع ملتا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے نام پر اقتدار تک پہنچنا چاہتے ہیں، اور اپنے جماعتی مصالح کے لیے عوام کے دین پسند جذبات کا استحصال کرتے ہیں۔ صورت حال اس سے بہت مختلف ہوگی جب اسلامی تحریک کی جدوجہد کے نتیجے میں عوام اسلامی نظام کو چاہنے والے بن جائیں، ان کی پسند کے نتیجے میں ملک کا آئین اسلامی ہو جائے، اور ہر پارٹی اسی نظام کو چلانے کی پابند بن جائے، اور پھر تمام پارٹیوں کا منشور یہ ہو کہ وہ ملک کو بہتر طریقے سے چلانا چاہتی ہیں، عوام دینی نوعیت کے جذباتی نعروں کا سامنا کرنے کے بجائے ملک چلانے کے لیے جن کو زیادہ اہل سمجھیں اور جن کی صلاحیت اور صالحیت پر انہیں زیادہ بھروسہ ہوا نہیں منتخب کریں۔

## ANS 05

اس کی پہلی شق ایمان مجمل اور ایمان مفصل پر مشتمل ہے۔ جن کی تشریح میں سنت کے عقائد اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ آگئے ہیں۔ واضح رہے جمعیت علماء اسلام کے دستور میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

دوسری شق کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پر مشتمل جس کی تشریح کے سلسلے میں جمعیت علماء اسلام کے دستور سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ توحید الہی اور رسالت محمدی ﷺ کے اقرار کے مضمرات و مقدرات کو دستور جماعت میں بلاشبہ نہایت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ (اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ تحریر اصلاً مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ہے۔ واللہ اعلم) البتہ ایک جانب اس میں سے وہ الفاظ حذف کر دیئے گئے جن پر علمائے کرام کی جانب سے شدید اعتراضات کئے گئے تھے، اور دوسری جانب عظمت صحابہؓ اور حجیت خلافت راشدہ سے متعلق شقوق کا اضافہ کیا گیا اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی اکرم ﷺ کی تعلیم، تربیت اور تزکیے کا شاہکار ہونے

کے اعتبار سے تعظیم و توقیر کے بھی مستحق ہیں اور بغضوائے قرآنی ”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْنَ مَعَهُ“ اور ”قَالَتِ الْمُنٰمُؤٰہُ وَعَمَرُوْہُ وَنَحْرُوْہُ“ آنحضور ﷺ کے رفقاء و احباب اور

اعوان و انصار ہونے کی بنا پر اس کا مستحق کامل بھی رہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کے ہر انبی کے دل میں ان کے لئے شدید محبت اور احسان مندی کے جذبات موجود ہوں

Skilling.pk

WhatsApp: 03144646739

WhatsApp: 03324646739

اور خلافتِ راشدہ چونکہ اصلاً خلافت علیٰ منہاج النبوة کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا اُس کے دوران میں جن امور پر اُمت کا اجماع ہو گیا انہیں دین کے دستوری اور قانونی نظام میں

حجت کی حیثیت حاصل ہے اس طرح عظمتِ صحابہؓ اور حجیتِ خلافتِ راشدہ کو گویا نبی اکرم ﷺ کی رسالتِ مبارکہ کے ساتھ تہتے اور ضمیمے کی حیثیت حاصل ہے!

تیسری اور چوتھی شقیں شرک، کفر اور ذمائمِ اخلاق سے برأت، اور جملہ ذنوب و معاصی سے توبہ و استغفار پر مشتمل ہیں۔ جن کے ضمن میں جہاں کفر اور شرک کی حقیقت اور اُن کی اقسام کی مختصر مگر جامع وضاحت آگئی ہے، وہاں فرائض و واجباتِ دینی اور محرمات و منہیاتِ شرعی کا اجمالی تذکرہ بھی ہو گیا ہے۔

پانچویں اور چھٹی شق دو معاہدوں پر مشتمل ہیں: پہلا عہد اللہ سے کہ میں نے اپنا رخ ہر جانب سے یکسو ہو کر صرف تیری جانب کر لیا ہے اور اب میری نماز اور قربانی کی طرح میرا جینا اور مرنا بھی صرف تیرے لئے ہو گا اور دوسرا عہد تنظیمِ اسلامی سے کہ میں اس کے نظم کی پابندی اور اس کے ایسے جملہ احکام کی اطاعت جو شریعت کی کسی واضح نص کے خلاف نہ ہوں ”سمع و طاعت“ کی ٹھیٹھ اسلامی روح کے مطابق کروں گا!

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ تنظیم کے عقائد اور بنیادی نظریات کی متذکرہ بالا چھ شقوں کا تعلق اُن تین اہم دینی اصطلاحات سے ہے جو ”تنظیمِ اسلامی کی اساسی دعوت“ کے عنوان سے چند آیات قرآنیہ کے ساتھ ابتداء ہی سے جلی طور پر شائع ہوتی رہی ہیں: یعنی تجدیدِ ایمان، توبہ اور تجدیدِ عہد!۔ چنانچہ پہلی دو شقوں کا تعلق تجدیدِ ایمان سے ہے، درمیانی دو کا توبہ سے اور آخری دو کا تجدیدِ عہد سے!!

اللہ تعالیٰ ہم سب کے قلوب و اذہان کو ایمانِ حقیقی اور یقین و معرفت کے نور سے منور فرمائے، ہمیں جملہ فرائض و واجبات کے التزام تام اور منکرات و منہیات سے اجتنابِ کلی کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنے جملہ عہود و عقود کے ایفاءِ کاملہ کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین“! اس کے بعد تنظیمِ اسلامی کے کچھ اہم اساسی و تنظیمی دستاویزات پیش کئے گئے ہیں جن کے بغیر یہ کتاب فی الواقع نامکمل محسوس ہوتی۔ تنظیمِ اسلامی کے موجودہ کام اور انتظامی ڈھانچے کے سمجھنے کے لئے یہ دستاویزات بے حد مفید ہیں یعنی تنظیمِ اسلامی کا منشور، نظامِ العمل، بیعتِ فارم کا عکس اور آخر میں اس ذاتی احتسابی رپورٹ بک کا عکس شامل اشاعت کیا گیا ہے جو ہر رفیقِ تنظیم کو ذاتی استعمال کے لئے دی جاتی ہے۔ جس سے وہ اپنے انفرادی و اجتماعی امور کی اصلاح و ترقی میں مدد لے سکتا ہے۔

ضمیمہ جات کے حوالے سے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض دستاویزات جو انتظامی نوعیت کے ہیں ان میں مرکزِ تنظیمِ اسلامی کی جانب سے وقت کے ساتھ ساتھ ترمیم و اضافے کا عمل جاری رہتا ہے۔ فی الحال تازہ ترین ایڈیشن شامل اشاعت کئے جا رہے ہیں۔ جن میں آئندہ کی اشاعتوں میں حسب ضرورت ترمیم و اضافے کا امکان بہر حال موجود رہے گا۔ (مرتب)

[Skilling.pk](http://Skilling.pk)

WhatsApp: 03144646739

WhatsApp: 03324646739